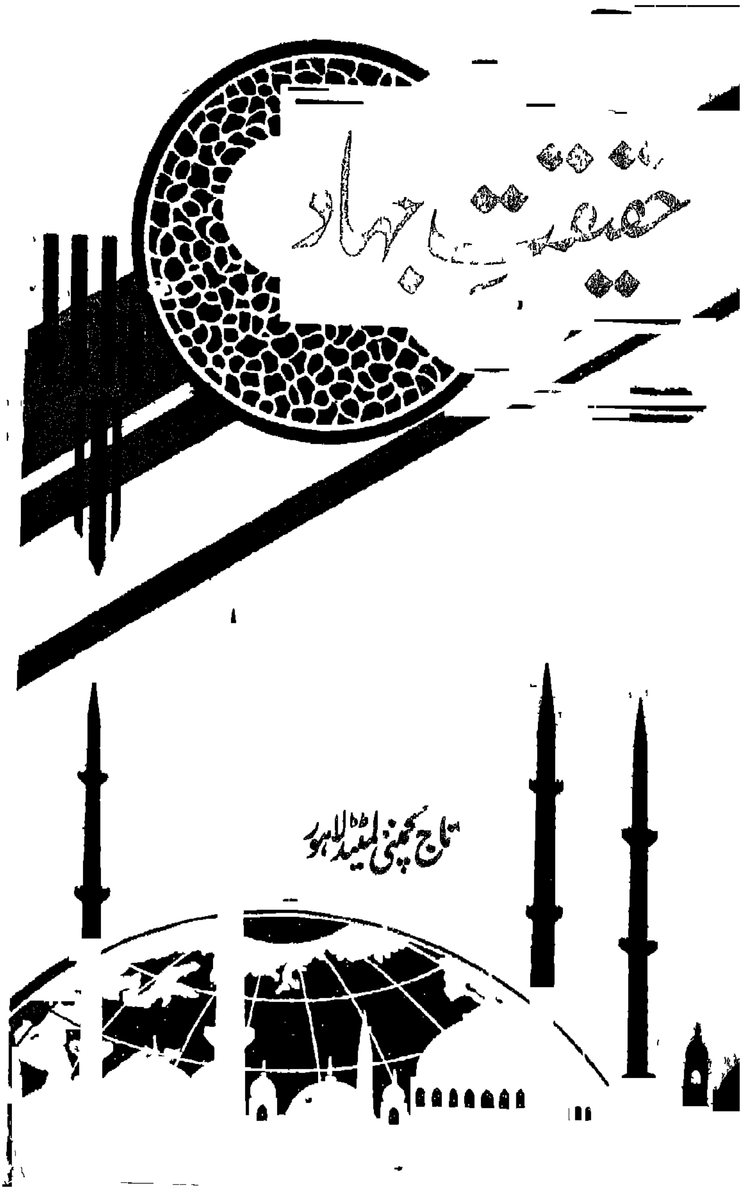

حقیقتِ جہاد
تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

حقیقتِ جہاد

از

سید ابوالاعلیٰ مودودی

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

قیمت ۸ر

فہرست

جہاد کا مقصد

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مضامین میں میں نے بار بار اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ عبادات جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے، دوسرے مذہبوں کی عبادات کی طرح محض پوجا پاٹ اور نذر نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ اُن کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے گا، بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کے لئے آپ کو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کے لیے آپ کی تربیت کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ چونکہ میں اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو کافی تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر چکا ہوں، اس لیے اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مقصد کیا ہے جس کے لیے یہ ساری تیاری ہے۔

حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے، کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ تو حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلّے سے ہو رہی ہے اور علانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں، ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلّے سے چل نہیں سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سودخواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مالدار لوگ غریبوں کا خون چوسے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ حکومت خود سود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے۔ اس کی عدالتیں سودخواروں کو ڈگریاں دیتی ہیں۔ اور اس کی حمایت ہی کے بل پر یہ بڑے بڑے ساہوکارے اور بنک چل رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ حکومت

مختصر الفاظ میں تو صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وہ مقصد انسان پر سے غیر اللہ کی حکومت مٹا کر صرف اللہ کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام جہاد ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لیے ہیں۔ لیکن چونکہ مسلمان مدتہائے دراز سے اس مقصد کو اور اس کام کو بھول چکے ہیں، اور ساری عبادتیں اُن کے لیے محض تصوّف بن کر رہ گئی ہیں، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذرا سے فقرے میں جو مطلب میں نے ادا کیا ہے اُسے آپ ایک معمّے سے زیادہ نہ سمجھے ہونگے۔ اچھا تو آئیے، اب میں آپ کے سامنے اس مقصد کی تشریح کروں۔

دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں اُن سب کی جڑ دراصل حکومت کی خرابی ہے۔ طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے۔ انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود

ہر چیز صرف ہو رہی ہے ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے ۔ کمزور کے لیے کہیں انصاف نہیں ۔ غریب کی زندگی دشوار ہے ۔ عدالتیں بنیے کی دکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدا جا سکتا ہے ۔ لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں اور افسروں کی شاہانہ تنخواہوں پر، بڑی بڑی عمارتوں پر، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی ہی دوسری فضول خرچیوں پر اڑا دیئے جاتے ہیں ۔ ساہوکار، زمیندار، راجہ، اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار عمائدین، گدی نشین پیر اور مہنت، سینما کمپنیوں کے مالک، شراب کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلقِ خدا کی جان، مال، عزت، اخلاق ہر چیز کو تباہ کر رہے ہیں اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں ۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے ۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں ۔ وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں، اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں، اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہونے

نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے، اور اس
کو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں جو آپ کو
نظر آرہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم و تربیت سے آپ
کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے
لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھپیں گے
کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے
کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے
ہیں کہ دنیا میں بے حد و حساب خونریزی ہو رہی ہے، انسان کا
علم اس کی تباہی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، انسان کی
محنت کے پھل آگ کی نذر کیے جا رہے ہیں، اور بیش قیمت
جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ
ضائع کی جا رہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ
آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بدنفس
تھے وہ دنیا کی قوموں کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک
ہیں۔ قوت ان کے ہاتھ میں ہے، اس لیے وہ دنیا کو جدھر
چلا رہے ہیں اسی طرف دنیا چل رہی ہے۔ علم، دولت، محنت،
جان، ہر چیز کا جو مصرف انھوں نے تجویز کیا ہے اُسی میں

کے بگاڑ کو درست کیا جائے معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات
کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو
وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کہا جائے زنا کا بند ہونا
محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی
زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ خود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال
کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ شراب، جوا، سود، رشوت، فحش
تماشے، بے حیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم اور
ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو
کامیابی ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں
دور کی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ خلقِ خدا کو لوٹتے اور اخلاق کو
تباہ کرتے ہیں، ان کو آپ محض پند و نصیحت سے چاہیں کہ
اپنے فائدوں سے ہاتھ دھولیں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں
اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بجبر ان کی شرارتوں کا خاتمہ کر دیں تو
ان ساری خرابیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ
بندگانِ خدا کی محنت، دولت، ذہانت و قابلیت غلط راستوں
میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو، اگر آپ
چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں

کے خواہشمند یا کم از کم روادار ہیں۔

اِن مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بُرے طور طریق کا رواج پانا، ظلم وستم اور بداخلاقیوں کا پھیلنا اور خلقِ خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی، اور جب خلقِ خدا کا رزق انہی کے تصرف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے بلکہ بگاڑ کی ہر صُورت ان کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی۔

یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہوگئی تو یہ سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے کہ خلقِ خدا کی اصلاح کرنے، اور لوگوں کو تباہی کے راستہ سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستہ پر لانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ حکومت

ہے کہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے اور اس میں کونسی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ برائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ انسان پر خُدا کی حکومت ہو —— اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سن کر آپ تعجب نہ کریں۔ اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپ کو ملے گا۔

ذرا غور تو کیجیے یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بے شمار اسباب زندگی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انہیں خدا نے مہیا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیت بھی

فساد نہ ہو، انسان انسان کا خون نہ چوسے نہ بہانے، دبے اور گرے ہوئے انسان اُٹھائے جائیں، اور تمام انسانوں کو یکساں عزت، امن، خوشحالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ البتہ حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو سمجھنے کے لیے کچھ بہت زیادہ غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کیے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لیے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اسے اُٹھنا چاہیے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے، غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر، صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بندگانِ خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں ان کی جڑ حکومت کی خرابی ہے، اور اصلاح کے لیے ضروری

جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ
جو انسان خدا سے بے خوف ہو، جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو
حساب دینا ہے، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اوپر کوئی نہیں جو مجھ
سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو، وہ طاقت اور اختیارات پاکر شتر
بے مہار نہ بنے گا تو اور کیا بنے گا ؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے
شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں، جب
لوگوں کی جانیں اور اُن کے مال اس کی مٹھی میں ہوں، جب
ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں،
تو وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا ؟ کیا آپ توقع کرتے
ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہو گا ؟ کیا آپ امید رکھتے
ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی
خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا ؟ کیا آپ کے نزدیک
یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص خود بھی سیدھے رستے پر چلے اور دوسروں
کو بھی سیدھا چلائے ؟ ہرگز نہیں ! ہرگز ہرگز نہیں ! ایسا ہونا
عقل کے خلاف ہے۔ ہزارہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت
دیتا ہے۔ آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ
خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں

خدا کی ہے۔ پھر جب معاملہ یہ ہے تو آخر کوئی دوسرا اس کا خدا کیسے ہو گیا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ خدا کی رعیت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ ملک کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا چلے، ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیت کسی کی ہو اور اس پر فرمانروائی کوئی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کر سکتی ہے؟ ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے اس لیے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ برا ہی نکلتا ہے۔ جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں، اور کچھ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اول تو ان کے پاس اتنا علم ہی نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے صحیح قاعدے اور قانون بنا سکیں، اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وہ شتر بے مہار بن

اُس کی رعیت میں سے جو لوگ باغی ہو گئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں اُن کا زور توڑ دیں، اور اللہ کی رعیت کو دوسروں کی رعیت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانونِ برحق مان لیا۔ نہیں، اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی تم ہو، جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو، وہاں خلقِ خدا کی اصلاح کے لئے اُٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو، ناخدا ترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو، اور بندگانِ خدا کی سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق، آخرت کی ذمہ داری و جواب دہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے، حکومت کے معاملات انجام دو۔ اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔

لیکن حکومت اور فرمانروائی جیسی کچھ بدبلا ہے ہر شخص اس کو جانتا ہے اس کے حاصل ہونے کا خیال کرتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اُٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانی

وہ اختیارات پاکر کس قدر ظالم، خائن اور بدراہ ہوجاتے ہیں۔
لہٰذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو۔ اُس حکومت کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اُس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اُس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ حکومت کا قانون اس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اُس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہوں تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خود غرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کر لیں اور اس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی کے ذریعے سے بھیجا ہے، ایمان لے آئیں، اُن سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اس کا قانون جاری کرنے کے لیے اُٹھیں،

وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کے لیے تم کو حکم دیا جائے، اسلام یہ ضروری سمجھتا ہے کہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو سہار سکو۔

یہ نماز اور روزہ اور یہ زکوٰۃ اور حج دراصل اسی تیاری اور تربیت کے لیے ہیں جس طرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی فوج پولیس اور سول سروس کے لیے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں پھر اُن سے کام لیتی ہیں، اسی طرح اسلام بھی اُن تمام آدمیوں کو جو اس کی ملازمت میں بھرتی ہوں پہلے خاص طریقہ سے تربیت دیتا ہے، پھر اُن سے جہاد اور حکومت الٰہی کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کی سلطنتوں کو اپنے آدمیوں سے جو کام لینا ہوتا ہے اس میں اخلاق اور نیک نفسی اور خدا ترسی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے وہ انہیں صرف کارواں بنانے کی کوشش کرتی ہیں خواہ وہ کیسے ہی زانی شرابی، بے ایمان اور بدنفس ہوں۔ مگر اسلام کو جو کام اپنے آدمیوں سے لینا ہے وہ چونکہ سارا کا سارا ہے ہی اخلاقی کام، اس لیے وہ انہیں کارواں بنانے سے زیادہ اہم اس بات کو سمجھتا

یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلقِ خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ آجانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندۂ خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے۔ پھر بھلا فائدہ ہی کیا ہوا اگر فرعون کو ہٹا کر تم خود فرعون بن گئے؟ لہٰذا اس شدید آزمائش کے کام کی طرف بلانے سے پہلے اسلام تم کو اس کے لیے تیار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ تم کو حکومت کا دعویٰ لے کر اٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا جب تک تمہارے دل سے خود غرضی اور نفسانیت نکل نہ جائے، جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی اغراض کے لیے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خلق اللہ کی اصلاح کے لیے ہو، اور جب تک تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ ہو جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو۔ محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو، تمہیں اس کا مستحق نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمہیں خلقِ خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے، اور پھر تم خدا اور رسول کا نام لے کر

دوسرا طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے تب وہ اُن سے کہتا ہے کہ ہاں، اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو، لہٰذا آگے بڑھو، لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولیس، عدالت، جیل، تحصیلداری، ٹیکس کلکٹری اور تمام دوسرے سرکاری کام ایسے اہل کاروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنے والے ہوں، اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے اور ضابطے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں جس میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، اور جہاں بدی و بدکاری کی ہر صورت کا بروقت تدارک کر دیا جائے اور نیکی و نیکوکاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کے لیے مستعد رہے، ایسی جگہ خلقِ خدا کی بہتری کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ ذرا غور کریں تو یہ

ہے کہ انہیں خدا ترس اور نیک نفس بنائے۔ وہ ان میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جب وہ زمین میں خدا کی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھیں تو اپنے دعوے کو سچّا کر کے دکھا سکیں۔ وہ لڑیں تو اس لیے نہ لڑیں کہ انہیں خود اپنے واسطے مال و دولت و زمین درکار ہے، بلکہ ان کے عمل سے ثابت ہو جائے کہ ان کی لڑائی خالص خدا کی رضا کے لیے اور اُس کے بندوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ وہ فتح پائیں تو متکبّر اور سرکش نہ ہوں بلکہ اُن کے سر خدا کے آگے جھکے ہوئے رہیں۔ وہ حاکم بنیں تو لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں بلکہ خود بھی خدا کے غلام بن کر رہیں اور دوسروں کو بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ رہنے دیں۔ وہ زمین کے خزانوں پر قابض ہوں تو اپنی یا اپنے خاندان والوں یا اپنی قوم کے لوگوں کی جیبیں نہ بھرنے لگیں بلکہ خدا کے رزق کو اس کے بندوں پر انصاف کے ساتھ تقسیم کریں اور ایک سچّے امانت دار کی طرح یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ کوئی آنکھ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہی ہے اور اوپر کوئی ہے جسے ہم کو ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔ اس تربیت کے لیے ان عبادتوں کے سوا اور کوئی

اور اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں، اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر سچے تھے جن کے ذریعہ سے ایسے صحیح قوانین ہم کو ملے - آج جس بات کو لوگوں کے دماغ میں اتارنا سخت مشکل نظر آتا ہے، اُس وقت وہ بات خود دماغوں میں اترنے لگے گی - آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جا سکتا، اس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھ میں آئے گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی ہی نہ تھی - جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑے ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے، اور خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر اس دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے، اُن کے لئے خدا کی توحید اور اس کے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہو جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے پھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کر لینے کے بعد پھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر و شرک پر اڑے رہنے کے لیے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہوگی،

بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آجائیگی کہ ایسی حکومت جب کچھ مدت تک کام کرکے لوگوں کی بگڑی سی ہوئی عادتوں کو درست کردے گی، جب وہ حرام خوری، بدکاری، ظلم، بیحیائی اور بداخلاقی کے سارے رستے بند کردے گی، جب وہ غلط قسم کی تعلیم و تربیت کا انسداد کرکے صحیح تعلیم و تربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کردے گی، اور جب اس کے ماتحت عدل و انصاف، امن و امان اور نیک اطواری و خوش اخلاقی کی پاک صاف فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا، تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخدا ترس لوگوں کی سرداری میں مدتہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہوگئی تھیں، رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہوجائیں گی، وہ دل جن پر صدیوں تک بداخلاقیوں کے درمیان گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں، آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صاف ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا عکس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ اس وقت لوگوں کے لیے اِس سیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ بھی مشکل نہ رہے گا کہ حقیقت میں اللہ ہی ان کا خدا ہے

جہاد کی اہمیّت

اس سلسلہ کے ابتدائی رسالوں میں "دین"، "شریعت" اور "عبادت" کی اصطلاحوں کا مفہوم تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں اُن کے معنی کی طرف ایک اشارہ کافی ہوگا:

دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔
شریعت قانون کو کہتے ہیں۔
عبادت سے مراد بندگی ہے۔

جب آپ کسی کی اطاعت میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تو گویا آپ نے اس کا دین قبول کیا ـــــ پھر جب وہ آپ کا حاکم ہوا اور آپ اُس کی رعایا بن گئے تو اس کے احکام اور اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطے آپ کے لیے قانون یا شریعت ہونگے ـــــ اور جب آپ اس کی اطاعت کرتے

اور مشکل سے ہزاروں میں سے دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے جن میں اتنی زیادہ ہٹ دھرمی موجود ہو۔

اب مجھے امید ہے کہ تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ یہ نماز اور روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ کس غرض کے لیے ہیں۔ تم اب تک یہ سمجھتے رہے ہو اور مدتوں سے تم کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ یہ عبادتیں محض پوجا پاٹ کی قسم کی چیزیں ہیں تمہیں بتایا ہی نہیں گیا کہ یہ ایک بڑی خدمت کی تیاری کے لیے ہیں۔ اسی وجہ سے تم بغیر کسی مقصد کے ان رسموں کو ادا کرتے رہے اور اس کام کے لئے کبھی تیار ہونے کا خیال تک تمہارے دلوں میں نہ آیا جس کے لیے دراصل انہیں مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو اور جس کے پیشِ نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔ ان بے معنی عبادت گزاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لو گے کہ انہوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا!

ہیں داخل ہوئے۔ غرض جس کی اطاعت کا قلادہ بھی آپ کی گردن میں ہے فی الواقع اسی کے دین میں آپ ہیں، اور جس کے قانون پر بھی آپ عمل کر رہے ہیں دراصل اسی کی عبادت کر رہے ہیں۔

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو بغیر کسی دقت کے یہ سیدھی سی بات بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے دو دین کسی طرح نہیں ہو سکتے، کیونکہ مختلف حکمرانوں میں سے بہرحال ایک ہی کی اطاعت آپ کر سکتے ہیں، مختلف قانونوں میں سے بہرحال ایک ہی قانون آپ کی زندگی کا ضابطہ بن سکتا ہے اور مختلف معبودوں میں سے ایک ہی کی عبادت کرنا آپ کے لیے ممکن ہے۔ آپ کہیں گے کہ ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ عقیدے میں ہم ایک کو حاکم مانیں اور واقعہ میں اطاعت دوسرے کی کریں، پوجا اور پرستش ایک کے آگے کریں اور بندگی دوسرے کی بجا لائیں، اپنے دل میں عقیدہ ایک قانون پر رکھیں اور واقعہ میں ہماری زندگی کے سارے معاملات دوسرے کے قانون کے مطابق چلتے رہیں۔ میں اس کے جواب میں عرض کروں گا بیشک یہ ہو تو سکتا ہے، اور ہو سکنا کیا معنی ہو ہی رہا ہے۔ مگر یہ ہے شرک،

ہوئے اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے، جو کچھ
وہ طلب کرے گا حاضر کر دیں گے، جس بات کا وہ حکم دے گا
اسے بجا لائیں گے، جن کاموں سے وہ منع کرے گا اُن سے رک
جائیں گے، جن حدود کے اندر رہ کر کام کرنا وہ آپ کے لیے
جائز ٹھہرائے گا انہی حدود کے اندر آپ رہیں گے، اور اپنے
آپس کے تعلقات و معاملات اور مقدموں اور قضیوں میں
اسی کی ہدایت پر چلیں گے اور اسی کے فیصلہ پر سر جھکائیں گے،
تو آپ کے اس رویہ کا نام بندگی یا عبادت ہوگا۔

اس تشریح سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین دراصل
حکومت کا نام ہے، شریعت اس حکومت کا قانون ہے، اور
عبادت اس کے قانون اور ضابطہ کی پابندی ہے۔ آپ جس
کسی کو حاکم مان کر اس کی محکومی قبول کرتے ہیں، دراصل آپ
اس کے دین میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا وہ حاکم اللہ
ہے تو آپ دینِ اللہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی بادشاہ ہے
تو آپ دینِ بادشاہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی خاص قوم ہے
تو آپ اسی قوم کے دین میں داخل ہوئے، اور اگر وہ خود آپ
کی اپنی قوم یا آپ کے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دینِ جمہور

ہیں، جس کے ضابطہ کے مطابق آپ دوسروں کا مال لیتے اور
اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں، جس کے فیصلوں کی طرف آپ
اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں، جس کی شریعت پر آپ کے
باہمی تعلقات کی تنظیم اور آپ کے درمیان حقوق کی تقسیم
ہوتی ہے، اور جس کی طلبی پر آپ اپنے دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں
کی ساری قوتیں، اور اپنے کمائے ہوئے مال اور آخر کار اپنی
جانیں تک پیش کر دیتے ہیں۔ پس اگر آپ کا عقیدہ کچھ ہو اور
واقعہ اس کے خلاف ہو، تو اصل چیز واقعہ ہی ہوگا۔ عقیدے
کے لیے اس صورت میں سرے سے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ نہ ایسے
عقیدے کا کوئی وزن ہی ہوگا۔ اگر واقعہ میں آپ دینِ بادشاہ
پر ہوں تو اس میں دینِ اللہ کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اگر واقعہ
میں دینِ جمہور پر ہوں، یا دینِ انگریز یا دینِ جرمن یا دینِ ملک و
وطن پر ہوں تو اس میں بھی دینِ اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔
اور اگر فی الواقع آپ دینِ اللہ پر ہوں تو اسی طرح اس میں بھی
کسی دوسرے دین کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ بہرحال یہ
خوب سمجھ لیجیے کہ شرک جہاں بھی ہوگا جھوٹ ہی ہوگا۔
یہ نکتہ بھی جب آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی

اور یہ شرک سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے حقیقت میں تو آپ اسی کے دین پر ہیں جس کی اطاعت واقعی آپ کر رہے ہیں۔ پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہے کہ جس کی اطاعت آپ نہیں کر رہے ہیں اس کو اپنا حاکم اور اُس کے دین کو اپنا دین کہیں؟ اور اگر زبان سے آپ ایسا کہتے بھی ہیں یا دل میں ایسا سمجھتے بھی ہیں تو اس کا فائدہ اور اثر کیا ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں، بالکل ہی بے معنی ہے جب کہ آپ کی زندگی کے تمام معاملات اس کی شریعت کے دائرے سے نکل گئے ہوں اور کسی دوسری شریعت پر چل رہے ہوں۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کو معبود مانتے ہیں، اور آپ کا اپنے ان سروں کو جو گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں، سجدے میں اس کے آگے زمین پر ٹیک دینا، بالکل ایک مصنوعی فعل بن کر رہ جاتا ہے جب کہ آپ واقع میں بندگی دوسرے کی کر رہے ہوں۔ حقیقت میں آپ کا معبود تو وہ ہے اور آپ درحقیقت عبادت اسی کی کر رہے ہیں جس کے حکم کی آپ تعمیل کرتے ہیں، جس کے منع کرنے سے آپ رکتے ہیں، جس کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر آپ کام کرتے ہیں، جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں پر آپ چلتے

عمارت تو کہتے ہی اُس کو ہیں، اور آدمی رہ اسی عمارت میں سکتا ہے، جس کی بنیادیں زمین میں ہوں اور جس کی چھت اور دیواریں زمین پر قائم ہوں۔ بالکل اسی مثال کے مطابق کسی دین کے حق ہونے کا محض اعتقاد کوئی معنی نہیں رکھتا، اور ایسا اعتقاد لاحاصل ہے جب کہ لوگ عملاً ایک دوسرے دین میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ جس طرح خیالی نقشے کا نام عمارت نہیں ہے، اسی طرح خیالی دین کا نام بھی دین نہیں ہے اور خیالی عمارت کی طرح کوئی شخص خیالی دین میں بھی نہیں رہ سکتا۔ دین وہی ہے جس کا اقتدار زمین میں قائم ہو، جس کا قانون چلے، اور جس کے ضابطہ پر زندگی کے معاملات کا انتظام ہو۔ لہٰذا ہر دین عین اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے اپنی حکومت کا تقاضا کرتا ہے، اور دین ہوتا ہی اسی لیے ہے کہ جس اقتدار کو وہ تسلیم کرانا چاہتا ہے اسی کی عبادت اور بندگی ہو اور اسی کی شریعت نافذ ہو۔

مثال کے طور پر دیکھیے۔

دین جمہوری کا کیا مفہوم ہے؟ یہی نا کہ ایک ملک کے عام لوگ خود اپنے اقتدار کے مالک ہوں، ان پر خود انہی کی بنائی ہوئی قانونیت چلے، اور ملک کے سب باشندے اپنے جمہوری اقتدار کی اطاعت

بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دین، خواہ کوئی سا بھی ہو، لامحالہ اپنی حکومت چاہتا ہے۔ دین جمہوری ہو یا دین بادشاہی، دین اشتراکی ہو یا دین الٰہی، یا کوئی اور دین، بہرحال ہر دین کو اپنے قیام کے لیے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپ کے دماغ میں ہو، مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو۔ اس دماغی نقشہ کے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے جب کہ آپ رہیں گے اس عمارت میں جو فی الواقع موجود ہوگی؟ اسی کے دروازے میں آپ داخل ہونگے اور اسی کے دروازے سے نکلیں گے اسی کی چھت اور اسی کی دیواروں کا سایہ آپ پر ہوگا۔ اسی کے نقشے پر آپ کو اپنی سکونت کا سارا انتظام کرنا ہوگا۔ پھر بھلا ایک نقشہ کی عمارت میں رہتے ہوئے آپ کا کسی دوسرے طرز یا دوسرے نقشے کی عمارت اپنے ذہن میں رکھنا، یا اس کا محض معتقد ہو جانا آخر معنی ہی کیا رکھتا ہے؟ وہ خیالی عمارت آپ کے ذہن میں ہوگی اور آپ خود اس واقعی عمارت کے اندر ہونگے جو زمین پر بنی ہوئی ہے۔ عمارت کا لفظ دماغ والی عمارت کے لیے تو کوئی بولتا نہیں ہے۔ نہ ایسی عمارت میں کوئی رہ سکتا ہے۔

اور آپ سب اسی کے حکم کے آگے سر اطاعت جھکا رہے
جب تک یہ دین اس قوت کے ساتھ قائم ہے، آپ خواہ کہ
دین کے معتقد ہوں، بہر حال اُس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔
لیکن اگر تعزیرات ہند اور ضابطۂ دیوانی چلنا بند ہو جا
انگریز کے حکم کی اطاعت و بندگی نہ ہو تو بتایئے کہ دین
کا کیا مفہوم باقی رہ جاتا ہے؟
ایسا ہی معاملہ دینِ اسلام کا بھی ہے۔ اس دین کا
یہ ہے کہ زمین کا مالک اور انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ
ہے لہٰذا اسی کی اطاعت اور بندگی ہونی چاہیئے اور ا
کی شریعت پر انسانی زندگی کے سارے معاملات چلنے چاہیئ
یہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا اصول جو اسلام پیش کرتا ہے یہ
اسی غرض کے لیئے ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسری
اس کی نہیں ہے کہ زمین میں صرف اللہ کا حکم چلے، عدا
میں فیصلہ اسی کی شریعت پر ہو، پولیس اسی کے احکا
کرے، لین دین اسی کے ضابطہ کی پیروی میں ہو، ٹیکس
کی مرضی کے مطابق لگائے جائیں اور انہی مصارف میں
ہوں جو اس نے مقرر کیے ہیں، سول سروس اور فوج ا

و بندگی کریں۔ بتائیے، یہ دین کیونکر قائم ہو سکتا ہے جب تک کہ ملک کا قبضہ واقعی جمہوری اقتدار کو حاصل نہ ہو جائے اور جمہوری شریعت نافذ نہ ہونے لگے ؟ اگر جمہور کے بجائے کسی غیر قوم کا یا کسی بادشاہ کا اقتدار ملک میں قائم ہو اور اسی کی شریعت چلے تو دین جمہوری کہاں رہا ؟ کوئی شخص دین جمہوری پر اعتقاد رکھتا ہو تو رکھا کرے، جب تک بادشاہ کا یا غیر قوم کا دین قائم ہے دین جمہوری کی پیروی تو وہ نہیں کر سکتا۔

دین بادشاہی کو لیجیے۔ یہ دین جس بادشاہ کو بھی حاکمِ اعلیٰ قرار دیتا ہے، اسی لیے تو قرار دیتا ہے کہ اطاعت و عبادت اس کی ہو اور شریعت اس کی نافذ ہو۔ اگر یہی بات نہ ہوئی تو بادشاہ کو بادشاہ ماننے اور اسے حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے دین جمہور چل پڑا ہو یا کسی دوسری قوم کی حکومت قائم ہو گئی ہو تو دین بادشاہی رہا کب کہ کوئی اس کی پیروی کر سکے۔

دور نہ جائیے، اسی دینِ انگریزی کو دیکھ لیجیے جو اس وقت ہندوستان کا دین ہے۔ یہ دین اسی وجہ سے تو چل رہا ہے کہ تعزیراتِ ہند اور ضابطۂ دیوانی انگریز کی طاقت سے نافذ ہے آپ کی زندگی کے سارے کاروبار انگریز کے مقرر کردہ طریقہ پر انجام پاتے ہیں،

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (التوبہ)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے۔ خواہ شرک کرنے والوں کو ایسا کرنا کتنا ہی ناگوار ہو

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال ۵)

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا اللہ کے لئے ہو جائے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (یوسف ۵۰)

حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف ۱۲۰)

تو جو کوئی اپنے ربّ کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کی عبادت شریک نہ کرے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ

تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کر

زیر حکم ہو، تقوی اور خوف اسی سے کیا جائے، رعیت اسی کی مطیع ہو، اور فی الجملہ انسان اس کے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ خالص الٰہی حکومت نہ ہو۔ کسی دوسرے دین کے ساتھ یہ دین شرکت کہاں قبول کر سکتا ہے؟ اور کون سا دین ہے جو دوسرے دین کی شرکت قبول کرتا ہو؟ ہر دین کی طرح یہ دین بھی یہی کہتا ہے کہ اقتدار خالصاً و مخلصاً میرا ہونا چاہیے اور ہر دوسرا دین میرے مقابلہ میں مغلوب ہو جانا چاہئے۔ ورنہ میری پیروی نہیں ہو سکتی۔ میں ہونگا تو دین جمہوری نہ ہو گا، دین پادشاہی نہ ہو گا، دین اشتراکی نہ ہو گا، کوئی بھی دوسرا دین نہ ہو گا۔ اور اگر کوئی دوسرا دین ہو گا تو میں نہ ہونگا اور اس صورت میں محض مجھے حق ماننے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ یہی بات ہے جس کو قرآن بار بار دہراتا ہے۔ مثلاً

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (البینہ)

لوگوں کو اس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ سب طرف سے منہ موڑ کر اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیں۔ اور اسی کی عبادت کریں۔

آپ اِس دین کی پیروی کرہی نہیں سکتے کسی دوسرے دین کی شرکت میں بھی اس کی پیروی ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر آپ واقعی اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں اور یا تو اسے قائم کرکے چھوڑیں یا اسی کوشش میں جان دیدیں۔ یہی کسوٹی ہے جس پر آپ کے ایمان واعتقاد کی صداقت پرکھی جا سکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچا ہوگا تو آپ کو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے آرام کی نیند نہ آسکے گی۔ کجا کہ آپ اُس کی خدمت کریں اور اُس خدمت کی روٹی مزے سے کھائیں اور آرام سے پاؤں پھیلا کر سوئیں۔ اس دین کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گذرے گا اس طرح گذرے گا کہ بستر آپ کے لئے کانٹوں کا بستر ہوگا، کھانا زہر اور حنظل کا کھانا ہوگا اور دینِ حق کو قائم کرنے کی کوشش کیے بغیر آپ کو کسی کل چین نہ آسکے گا۔ لیکن اگر آپ کو دینِ اللہ کے سوا کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہیں چین آتا ہو، اور آپ اس حالت پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں ہیں، خواہ آپ کتنی ہی دل لگا لگا کر نمازیں

أَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ ...... وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء - ۹)

یہ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس ہدایت پر جو تیری طرف اور تجھ سے پہلے نبیوں کی طرف اتاری گئی تھی۔ اور پھر ارادہ یہ کرتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا......

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے تو بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

اوپر میں عبادت اور دین اور شرک کی جو تشریح کر چکا ہوں اس کے بعد آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ ان آیات میں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ اسلام میں جہاد کی اس قدر اہمیت کیوں ہے۔ دوسرے تمام دینوں کی طرح دین اللہ بھی محض اس بات پر مطمئن نہیں ہو سکتا کہ آپ بس اس کے حق ہونے کو مان لیں اور اپنے اس اعتقاد کی علامت کے طور پر محض رسمی پوجا پاٹ کر لیا کریں۔ کسی دوسرے دین کے ماتحت رہ کر

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا	کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ
أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا	محض یہ کہہ کر کہ "ہم ایمان لائے"
يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا	چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ	آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ان سے
اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ	پہلے بھی جس جس نے ایمان کا
الْكٰذِبِيْنَ	دعویٰ کیا ہے اس کو ہم نے آزمایا

ہے، پس ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ ایمان کے دعوے میں سچے کون
ہیں اور جھوٹے کون۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا	اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی
بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ	ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ
جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ	پر۔ مگر جب اللہ کے رستے میں وہ
اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ	ستایا گیا تو انسانوں کی سزا سے
رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا	ایسا ڈرا جیسے اللہ کے عذاب سے
مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ	ڈرنا چاہئے۔ حالانکہ تیرے رب
بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ	کی طرف سے فتح آجائے تو وہی
وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ	آ کر کہے کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھی
اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ	تھے۔ کیا اللہ جانتا نہیں ہے جو

پڑھیں، کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں، کتنی ہی قرآن وحدیث کی شرح فرمائیں، اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بگھاریں۔ یہ تو اُن لوگوں کا معاملہ ہے جو دوسرے دین پر راضی ہوں۔ رہے وہ منافقین جو دوسرے دین کی خدمت گاری کرتے ہوں، یا کسی اور دین (مثلاً دینِ جمہور) کو لانے کے لیے جہاد کرتے ہوں، تو ان کے متعلق میں کیا کہوں؟ موت کچھ دُور نہیں ہے، وہ وقت جب آئے گا تو جو کچھ کمائی انہوں نے دنیا کی زندگی میں کی ہے، خدا خود ہی ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ لوگ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو سخت حماقت میں مبتلا ہیں۔ عقل ہوتی تو ان کی سمجھ میں خود آجاتا کہ ایک دین کو برحق ماننا، اور اس کے خلاف دوسرے دین کے قیام میں حصّہ لینا یا دوسرے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا، بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آگ اور پانی جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایمان باللہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً جمع نہیں ہو سکتا۔

قرآن اِس سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے وہ سب کا سب تو اس جگہ کہاں نقل کیا جا سکتا ہے، مگر صرف چند آیتیں آپ کو سناتا ہوں:

مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ...... أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلہ - ۳)

ناراض ہے یہ لوگ نہ تمہارے ہی ہیں نہ اُنہی کے ہیں ...... یہ تو شیطان پارٹی کے لوگ ہیں۔ اور خبردار رہو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی نامراد رہنے والے ہیں یقیناً جو لوگ اللہ اور رسول کا مقابلہ کرتے ہیں (یعنی دینِ حق کے قیام کے خلاف کام کرتے ہیں) وہ شکست کھانے والوں میں ہونگے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ یقیناً اللہ طاقتور اور زبردست ہے۔

اِن آیات میں قرآن مجید نے اُن لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو دینِ حق کو قائم کرنے کی مشکلات عذر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دینِ حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، کوئی نہ کوئی دینِ باطل قوت اور زور کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہوگی، رزق کے خزانے بھی اُسی کے قبضے میں ہونگے، اور

الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت-۱) کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے ؟
گروہ ضرور دیکھ کر رہے گا کہ مومن کون ہیں اور منافق کون۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف
عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ہے کہ مومنوں کو اسی طرح رہنے
حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ دے جس طرح وہ اب ہیں (کہ سچے
الطَّيِّبِ (آل عمران-۱۸۰) اور جھوٹے مدعیان ایمان خلط ملط)
وہ باز نہ رہے گا جب تک خبیث اور طیّب کو چھانٹ کر الگ الگ
نہ کر دے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی
وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ تم میں سے
يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ جہاد کنہوں نے کیا اور کون ہیں
لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً جنہوں نے اللہ اور رسول اور
(التوبۃ-۲) مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے اندرونی
تعلق نہیں رکھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو ساتھ
قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ دیتے ہیں اس گروہ کا جس سے اللہ

کرتے رہیں اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اُٹھانے والے آخرکار اپنی قربانیوں سے دینِ حق کو قائم کر دیں تو وہ آکر کہیں اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ، یعنی ہم تو تمہارے دینی بھائی اور تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں، لاؤ اب ہمارا حصّہ دو۔

زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلط ہوگا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے دین کو قائم کرنے کا معاملہ بہرحال پھولوں کی سیج تو نہیں ہو سکتا۔ آرام اور سہولت کے ساتھ، میٹھے میٹھے قدم چل کر یہ کام نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دینِ باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دینِ حق بھی قائم ہو جائے تو یہ قطعًا محال ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوگا اسی طرح ہوگا کہ آپ ان تمام حقوق کو، ان تمام فائدوں کو، اور ان تمام آسائشوں کو لات مارنے کے لیے تیار ہو جائیں جو دینِ باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں، اور جو نقصان بھی اس مجاہدہ میں پہنچ سکتا ہو اس کو ہمت کے ساتھ انگیز کریں۔ جن لوگوں میں یہ کھکیڑ اٹھانے کی ہمت ہو، جہاد فی سبیل اللہ انہی کا کام ہے، اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دینِ حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ، تو ان کے لئے بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب نہیں۔ اُن کا کام تو یہی ہے کہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی خدمت

بُو ئے خُوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان
ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ میں
مشغول ہیں۔ ان کی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار
کے بھوکے ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری
دنیا پر پل پڑے ہیں اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں، خام پیداوار
کے ذخیرے، نو آبادیاں بسانے کے قابل زمینیں اور معدنیات
کی کانیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تاکہ اپنی حرص کی کبھی نہ بجھنے
والی آگ کے لیئے ایندھن فراہم کریں۔ ان کی جنگ خدا کی
راہ میں نہیں بلکہ پیٹ کی راہ میں ہے، ہوس اور نفس امارہ
کی راہ میں ہے۔ ان کے نزدیک کسی قوم پر حملہ کرنے کے
لیے بس یہ کافی وجہِ جواز ہے کہ اس کی زمین میں کانیں ہیں،
یا اجناس کافی پیدا ہوتی ہیں، یا ان کے کارخانوں کا مال وہاں
اچھی طرح کھپایا جا سکتا ہے، یا اپنی زائد آبادی کو وہاں آسانی
کے ساتھ بسایا جا سکتا ہے، یا اور کچھ نہیں تو اس قوم کا یہ
گناہ بھی کوئی معمولی گناہ نہیں کہ وہ کسی ایسے ملک کے راستہ
میں رہتی ہے جس پر یہ پہلے قبضہ کر چکے ہیں یا اب قبضہ کرنا

جہاد فی سبیل اللہ

عموماً لفظ "جہاد" کو "مذہبی جنگ" کہہ کر غلط روشنی میں پیش کیا جاتا ہے، اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوشِ جنوں" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ، ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے، ڈاڑھیاں چڑھائے خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے" جہاں کسی کافر کو پاتا ہے پکڑ لیتا ہے اور تلوار اُس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ ماہرین نے ہماری یہ تصویر بڑی قلمکاریوں کے ساتھ بنائی ہے اور اس کے نیچے موٹے حرفوں میں لکھ دیا ہے کہ

بھی توبہ کر چکے ہیں، حضور کی طمانیت کے لیے تلوار والے جہاد کو "سرکاری طور پر" منسوخ کر دیا گیا ہے، اب تو جہاد فقط زبان و قلم کی کوشش کا نام ہے، توپ اور بندوق چلانا سرکار کا کام ہے اور زبان اور قلم چلانا ہمارا کام!

جہاد کے متعلق غلط فہمی کے اسباب - خیر یہ تو سیاسی چالوں کی بات ہے۔ مگر خالص علمی حیثیت سے جب ہم اُن اسباب کا تجزیہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے "جہاد فی سبیل اللہ" کی حقیقت کو سمجھنا غیر مسلموں اور خود مسلمانوں کے لیے دشوار ہو گیا ہے، تو ہمیں دو بڑی اور بنیادی غلط فہمیوں کا سراغ ملتا ہے:

پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام کو اُن معنوں میں محض ایک مذہب سمجھ لیا گیا ہے جن میں لفظ مذہب عموماً بولا جاتا ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن معنوں میں محض ایک قوم سمجھ لیا گیا ہے جن میں یہ لفظ عموماً مستعمل ہوتا ہے۔

اِن دو غلط فہمیوں نے صرف ایک جہاد ہی کے مسئلہ کو نہیں بلکہ مجموعی حیثیت سے پورے اسلام کے نقشہ کو بدل ڈالا ہے، اور مسلمانوں کی پوزیشن کلی طور پر غلط کر کے رکھ دی ہے۔

چاہتے ہیں. ہم نے جو کچھ کیا وہ زمانۂ ماضی کا قصہ ہے، اور ان کے کارنامے حال کے واقعات ہیں جو شب و روز دنیا کی آنکھوں کے سامنے گذر رہے ہیں۔ ایشیا، افریقہ، یورپ امریکہ، غرض کرۂ زمین کا کون سا حصہ ایسا بچا رہ گیا ہے جو ان کی اس غیر مقدس جنگ سے لالہ زار نہیں ہو چکا ہے مگر ان کی مہارت قابلِ داد ہے۔ انہوں نے ہماری تصویر اتنی بھیانک اور اتنی بڑی بنائی کہ خود ان کی تصویر اس کے پیچھے چھپ گئی۔ اور ہماری سادہ لوحی بھی قابلِ داد ہے. جب ہم نے غیروں کی بنائی ہوئی اپنی یہ تصویر دیکھی تو ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ ہمیں اس تصویر کے پیچھے جھانک کر خود مصوروں کی صورت دیکھنے کا ہوش ہی نہ آیا اور لگے معذرت کرنے کہ حضور! بھلا ہم جنگ و قتال کو کیا جانیں، ہم تو بھکشوؤں اور پادریوں کی طرح پُرامن مبلغ لوگ ہیں، چند مذہبی عقائد کی تردید کرنا اور ان کی جگہ کچھ دوسرے عقائد لوگوں سے تسلیم کرا لینا، بس یہ ہمارا کام ہے، ہمیں تلوار سے کیا واسطہ ہے البتہ اتنا قصور کبھی کبھار ضرور ہوا ہے کہ جب کوئی ہمیں مارنے آیا تو ہم نے بھی جواب میں ہاتھ اٹھا دیا، تو اب تو ہم اس سے

ہو۔ اس معنی میں جو گروہ ایک قوم ہو وہ دو ہی وجوہ سے تلوار اُٹھاتا ہے اور اُٹھا سکتا ہے۔ یا تو اس کے جائز حقوق چھیننے کے لئے کوئی اس پر حملہ کرے، یا وہ خود دوسروں کے جائز حقوق چھیننے کے لئے حملہ آور ہو۔ پہلی صورت میں تو خیر تلوار اٹھانے کے لیے کچھ نہ کچھ اخلاقی جواز موجود بھی ہے (اگرچہ بعض دھرماتماؤں کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے) لیکن دوسری صورت کو تو بعض ڈکٹیٹروں کے سوا کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا حتیٰ کہ فرانس اور برطانیہ جیسی وسیع سلطنتوں کے مدبرین بھی اس کو جائز کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

جہاد کی حقیقت ۔پس اگر اسلام ایک "مذہب" ہے اور مسلمان ایک "قوم"، تو جہاد کی ساری معنویت جس کی بنا پر اُسے افضل العبادات کہا گیا ہے، سرے سے ختم ہو جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی "مذہب" کا اور مسلمان کسی "قوم" کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل اسلام ایک انقلابی نظریہ و مسلک ہے جو تمام دنیا کے اجتماعی نظم کو بدل کر اپنے نظریہ و مسلک کے مطابق تعمیر کرنا چاہتا ہے، اور مسلمان اس بین الاقوامی انقلابی جماعت کا نام ہے جسے اسلام اپنے مطلوبہ انقلابی

"مذہب" کے معنی عام اصطلاح کے اعتبار سے بجز اس کے اور کیا ہیں کہ وہ چند عقائد اور چند عبادات اور مراسم کا مجموعہ ہوتا ہے؟ اس معنی کے لحاظ سے مذہب کو واقعی ایک پرائیویٹ معاملہ ہی ہونا چاہیے۔ آپ کو اختیار ہے کہ جو عقیدہ چاہیں رکھیں، اور آپ کا ضمیر جس کی عبادت کرنے پر راضی ہو اس کو جس طرح چاہیں پکاریں۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی جوش اور سرگرمی آپ کے اندر اس مذہب کے لئے موجود ہے تو آپ دنیا بھر میں اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے پھریے اور دوسرے عقائد والوں سے مناظرے کیجئے۔ اس کے لیے تلوار ہاتھ میں پکڑنے کا کون سا موقع ہے؟ کیا آپ لوگوں کو مار مار کر اپنا ہم عقیدہ بنانا چاہتے ہیں؟ یہ سوال لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے جب کہ آپ اسلام کو عام اصطلاح کی رُو سے ایک مذہب قرار دے لیں، اور یہ پوزیشن اگر واقعی اسلام کی ہو تو جہاد کیلیے حقیقت میں کوئی وجہ جواز ثابت نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح "قوم" کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ وہ ایک ہم جنس گروہ اشخاص کا نام ہے جو چند بنیادی امور میں مشترک ہونے کی وجہ سے باہم مجتمع اور دوسرے گروہوں سے ممتاز ہو گیا

اغراض کے لیے کی جاتی ہیں۔ ان لڑائیوں کے مقاصد محض ایسے شخصی یا اجتماعی مقاصد ہوتے ہیں جن کے اندر کسی نظریہ اور کسی اصول کی حمایت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اسلام کی لڑائی چونکہ اس نوعیت کی نہیں ہے، اس لئے وہ سرے سے اِس لفظ ہی کو ترک کر دیتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر ایک قوم کا مفاد یا دوسری قوم کا نقصان نہیں ہے۔ وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کہ زمین پر ایک سلطنت کا قبضہ ہے یا دوسری سلطنت کا۔ اس کو دلچسپی جس چیز سے ہے وہ محض انسانیت کی فلاح ہے۔ اس فلاح کے لیے وہ اپنا ایک خاص نظریہ اور ایک عملی مسلک رکھتا ہے۔ اس نظریہ اور مسلک کے خلاف جہاں جس کی حکومت بھی ہے اسلام اسے مٹانا چاہتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی قوم ہو اور کوئی ملک ہو۔ اس کا مدعا اپنے نظریہ اور مسلک کی حکومت قائم کرنا ہے بلا اس لحاظ کے کہ کون اس کا جھنڈا لے کر اٹھتا ہے اور کس کی حکمرانی پر اس کی ضرب پڑتی ہے۔ وہ زمین مانگتا ہے — زمین کا ایک حصہ نہیں بلکہ پورا کرۂ زمین —— اس لیے نہیں کہ ایک قوم یا بہت سی قوموں کے ہاتھ سے نکل کر اس

پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے منظم کرتا ہے اور جہاد اس انقلابی جدوجہد کا، اُس انتہائی صرفِ طاقت کا نام ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عمل میں لائی جائے۔

تمام انقلابی مسلکوں کی طرح اسلام بھی عام مروّج الفاظ کو چھوڑ کر اپنی ایک خاص اصطلاحی زبان اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے انقلابی تصوّرات عام تصوّرات سے ممتاز ہوسکیں۔ لفظ جہاد بھی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام نے حرب اور اسی نوعیت کے دوسرے عربی الفاظ جو جنگ کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں، قصداً ترک کر دیئے اور اُن کی جگہ "جہاد" کا لفظ استعمال کیا جو انتہائی کوشش کا ہم معنی ہے بلکہ اس سے زیادہ مبالغہ رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے: "اپنی تمام طاقتیں کسی مقصد کی تحصیل میں صرف کر دینا"۔

سوال یہ ہے کہ پرانے الفاظ کو چھوڑ کر یہ نیا لفظ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ "جنگ" کا لفظ قوموں اور سلطنتوں کی اُن لڑائیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور آج تک ہو رہا ہے جو اشخاص یا جماعتوں کی نفسانی

یہ سمجھ بیٹھے کہ زبردستی لوگوں کو اسلام کے مذہبی عقائد کا پیرو بنانا جہاد فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ لوگوں کے تنگ دماغوں میں "راہِ خدا" کا کوئی مفہوم اس کے سوا نہیں سما سکتا مگر اسلام کی زبان میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر وہ کام جو اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے کیا جائے اور جس کے کرنے والے کی نیت اُس سے کوئی دنیوی فائدہ اُٹھانا نہ ہو، بلکہ محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، اسلام ایسے کام کو "فی سبیل اللہ" قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ خیرات دیتے ہیں اس نیّت سے کہ اسی دنیا میں مادی یا اخلاقی طور پر اس کا کوئی فائدہ آپ کی طرف پلٹ کر آئے تو یہ فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ اور اگر خیرات سے آپ کی نیت یہ ہے کہ ایک غریب انسان کی مدد کر کے آپ خدا کی خوشنودی حاصل کریں تو یہ فی سبیل اللہ ہے۔ پس یہ اصطلاح مخصوص ہے ایسے کاموں کے لیے جو کامل خلوص کے ساتھ، ہر قسم کی نفسانی اغراض سے پاک ہو کر، اس نظریہ پر کیے جائیں کہ انسان کا دوسرے انسانوں کی فلاح کے لئے کام کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہے

کی حکومت کسی خاص قوم کے ہاتھ میں آجائے، بلکہ صرف اس لیے کہ انسانیت کی فلاح کا جو نظریہ اور پروگرام اس کے پاس ہے اُس سے تمام نوعِ انسانی متمتع ہو۔ اس غرض کے لیے وہ تمام اُن طاقتوں سے کام لینا چاہتا ہے جو انقلاب برپا کرنے کے لیے کارگر ہو سکتی ہیں، اور ان سب طاقتوں کے استعمال کا ایک جامع نام "جہاد" رکھتا ہے۔ زبان و قلم کے زور سے لوگوں کے نقطۂ نظر کو بدلنا اور اُن کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنا بھی جہاد ہے۔ تلوار کے زور سے پرانے ظالمانہ نظامِ زندگی کو بدل دینا اور نیا عادلانہ نظام مرتّب کرنا بھی جہاد ہے اور اس راہ میں مال صرف کرنا اور جسم سے دوڑ دھوپ کرنا بھی جہاد ہے۔

"فی سبیل اللّٰہ" کی لازمی قید۔ لیکن اسلام کا جہاد نِرا "جہاد" نہیں ہے بلکہ وہ جہاد فی سبیل اللّٰہ" ہے، اور "فی سبیل اللّٰہ" کی قید اس کے ساتھ ایک لازمی قید ہے۔ یہ "فی سبیل اللّٰہ" کا لفظ بھی اسلام کی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے جس کی طرف ابھی میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے "راہِ خدا میں"۔ اس ترجمہ سے لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے اور

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا — لڑتے ہیں - اور جو کافر ہیں وہ
يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ — طاغوت کی راہ میں لڑتے
الطَّاغُوْتِ (نساء - ۱۰۰) — ہیں۔

"طاغوت" کا مصدر طغیان ہے جس کے معنی حد سے گزر جانے کے ہیں۔ دریا جب اپنی حد سے گزر جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ طغیانی آگئی ہے۔ اسی طرح جب آدمی اپنی جائز حد سے گزر کر اس غرض کے لئے اپنی طاقت استعمال کرتا ہے کہ انسانوں کا خدا بن جائے یا اپنے مناسب حصہ سے زیادہ فوائد حاصل کرے تو یہ طاغوت کی راہ میں لڑنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں راہِ خدا کی جنگ وہ ہے جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ خدا کا قانون عدل دنیا میں قائم ہو، لڑنے والا خود بھی اس کی پابندی کرے اور دوسروں سے بھی اس کی پابندی کرالے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ — آخرت میں عزت کا مقام ہم نے ان
نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا — لوگوں کے لیے رکھا ہے جو زمین
يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى — میں اپنی بڑائی قائم کرنا اور فساد
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا — کرنا نہیں چاہتے۔ اور عاقبت کی

اور انسان کی زندگی کا نصب العین مالک کائنات کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

"جہاد" کے لئے بھی "فی سبیل اللہ" کی قید اسی غرض کے لیے لگائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظامِ حکومت میں انقلاب برپا کرنے، اور اسلامی نظریہ کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لیے جدوجہد کرنے اٹھے، تو اس قیام، اور اس سربازی و جاں نثاری میں اس کی اپنی کوئی نفسانی غرض نہ ہونی چاہیے اس کا یہ مقصد ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ قیصر کو ہٹا کر خود قیصر بن جائے۔ اپنی ذات کے لیے مال و دولت، یا شہرت و ناموری، یا عزت و جاہ حاصل کرنے کا شائبہ تک اس کی جدوجہد کے مقاصد میں نہ ہونا چاہیے۔ اس کی تمام قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہونا چاہیے کہ بندگانِ خدا کے درمیان ایک عادلانہ نظامِ زندگی قائم کیا جائے اور اس کے معاوضہ میں خدا کی خوشنودی کے سوا اور کچھ مطلوب نہ ہو۔ قرآن کہتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ "ایماندار لوگ خدا کی راہ میں

ہی جاندار کرتے ہیں ۔ ہر ایک اپنے مقصد کی تحصیل کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا ہے ۔ لیکن "مسلمان" جس انقلابی جماعت کا نام ہے اُس کے انقلابی نظریات میں سے ایک اہم ترین نظریہ بلکہ بنیادی نظریہ یہ ہے کہ اپنی جان مال کھپاؤ، دنیا کی ساری سرکش طاقتوں سے لڑو، اپنے جسم و رُوح کی ساری طاقتیں خرچ کرو نہ اس لیے کہ دوسرے سرکشوں کو ہٹا کر تم ان کی جگہ لے لو، بلکہ صرف اس لیے کہ دنیا سے سرکشی و طغیان مٹ جائے اور خدا کا قانون دنیا میں نافذ ہو۔

جہاد کے اس مفہوم اور فی سبیل اللہ کی معنویت کو مختصراً بیان کر دینے کے بعد میں اُس دعوتِ انقلاب کی تھوڑی سی تشریح کرنا چاہتا ہوں جو اسلام لے کر آیا ہے تاکہ آسانی کے ساتھ یہ سمجھا جا سکے کہ اس دعوت کے لیے جہاد کی حاجت کیا ہے اور اس کی غایت کیا ہے ۔

اسلام کی دعوتِ انقلاب ۔ اسلام کی دعوتِ انقلاب کا خلاصہ یہ ہے :

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا ۔۔۔ اے انسانو! صرف اپنے اُس رب

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ کامیابی ایسے ہی پرہیزگاروں
(القصص - ۹) کے لیے ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "راہِ خدا کی جنگ سے کیا مراد ہے؟ ایک شخص مال کے لیے جنگ کرتا ہے۔ دوسرا شخص بہادری کی شہرت حاصل کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے تیسرے شخص کو کسی سے عداوت ہوتی ہے یا قومی حمیت کا جوش ہوتا ہے اس لیے جنگ کرتا ہے۔ ان میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟" آنحضرت نے جواب دیا "کسی کی بھی نہیں۔ فی سبیل اللہ تو صرف اس شخص کی جنگ ہے جو خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتا" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص نے جنگ کی اور اس کے دل میں اونٹ باندھنے کی ایک رسّی حاصل کرنے کی بھی نیت ہوئی تو اس کا اجر ضائع ہو گیا۔ اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لیے ہو اور کوئی شخصی یا اجتماعی غرض نہ ہو۔ پس جہاد کے لیے فی سبیل اللہ کی قید اسلامی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مجرّد جہاد تو دنیا میں سب

یہ عالمگیر اور کلی انقلاب کی دعوت تھی۔ اس نے پکار کر کہا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ "حکومت سوائے خدا کے کسی اور کی نہیں ہے"۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بذات خود انسانوں کا حکمراں بن جائے اور اپنے اختیار سے جس چیز کا چاہے حکم دے اور جس چیز سے چاہے روک دے۔ کسی انسان کو بالذات امر و نہی کا مالک سمجھنا دراصل خدائی میں اُسے شریک کرنا ہے اور یہی بنائے فساد ہے۔ اللہ نے انسان کو جس صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے، اور زندگی بسر کرنے کا جو سیدھا راستہ بتایا ہے اُس سے انسان کے ہٹنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگ خدا کو بھول جائیں اور نتیجۃً خود اپنی حقیقت کو بھی فراموش کر دیں اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہوتا ہے کہ ایک طرف بعض اشخاص یا خاندان یا طبقے خدائی کا کھلا یا چھپا داعیہ لے کر اُٹھتے ہیں اور اپنی طاقت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر لوگوں کو اپنا بندہ بنا لیتے ہیں اور دوسری طرف اسی خدا فراموشی و خود فراموشی کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کا ایک حصہ ان طاقتوروں کی خداوندی مان لیتا ہے اور ان کے اس حق کو تسلیم کر لیتا ہے کہ یہ حکم کریں اور وہ اس حکم کے آگے سر

رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے

اسلام مزدوروں یا زمینداروں یا کاشتکاروں یا کارخانہ داروں کو نہیں پکارتا بلکہ تمام انسانوں کو پکارتا ہے اس کا خطاب انسان سے بحیثیت انسان ہے۔ اور وہ صرف یہ کہتا ہے کہ اگر تم خدا کے سوا کسی کی بندگی، اطاعت، فرمانبرداری کرتے ہو تو اُسے چھوڑ دو، اور اگر خود تمہارے اندر خدائی کا داعیہ ہے تو اُسے بھی نکال دو کہ دوسروں سے اپنی بندگی کرانے اور دوسروں کا سر اپنے آگے جھکوانے کا حق بھی تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تم سب کو ایک خدا کی بندگی قبول کرنی چاہیے اور اس بندگی میں سب کو ایک سطح پر آجانا چاہیے۔

تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران - ۷)

آؤ ہم اور تم ایک ایسی بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اور خداوندی میں کسی کو خدا کا شریک بھی نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے بجائے امر و نہی کا مالک بھی نہ بنا لے۔

وہ لوگوں سے پوچھتا ہے کہ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ؟ یہ بہت سے چھوٹے بڑے خدا جن کی بندگی میں تم پھنسے جا رہے ہو ان کی بندگی قبول ہے، یا اُس ایک خدا کی جو سب سے زبردست ہے؟ اگر اُس خدائے واحد کی بندگی قبول نہ کرو گے تو ان چھوٹے اور جھوٹے خداؤں کی آقائی سے تمہیں کبھی نجات نہ مل سکے گی۔ یہ کسی نہ کسی طور سے تم پر تسلط پائیں گے اور فساد برپا کر کے رہیں گے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (والصفّٰت - ۳)

یہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اس کے نظامِ حیات کو تہ و بالا کر ڈالتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور ان کا یہی وتیرہ ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرہ - ۲۵)

اور جب ایسا انسان حکومت پا لیتا ہے تو زمین میں فساد پھیلاتا ہے کھیتیوں کو خراب اور نسلوں کو تباہ کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

جھکا دیں۔ یہی دنیا میں ظلم، فساد اور ناجائز انتفاع کی بنیاد ہے اور اسلام پہلی ضرب اسی پر لگاتا ہے۔ وہ ہانکے پکارے کہتا ہے:-

لَا تُطِيعُوٓا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ الَّذِينَ هُمْ يُفْسِدُونَ وَلَا يُصْلِحُونَ (الشعراء - ۸)

اُن لوگوں کا حکم ہرگز نہ مانو جو اپنی حد جائز سے گذر گئے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

لَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (الکہف - ۴)

اُس شخص کی اطاعت ہرگز نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشاتِ نفس کا بندہ بن گیا ہے اور جس کی حکومت افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا (ہود - ۲)

خدا کی لعنت ہو اُن ظالموں پہ جو خدا کے بتائے ہوئے زندگی کے سیدھے راستے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔

کی دعوت، اور خدائے واحد کی بندگی و عبودیت کے لیے اسلام کی تبلیغ براہ راست حکومت اور اس کو سہارا دینے والے یا اس کے سہارے چلنے والے طبقوں کی اغراض سے متصادم ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے جب کبھی کسی نبی نے یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کی صدا بلند کی، حکومتِ وقت فوراً اس کے مقابلے میں آن کھڑی ہوئی، اور تمام ناجائز انتفاع کرنے والے طبقے اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے، کیونکہ یہ محض ایک مابعد الطبیعی قضیہ کا بیان نہ تھا، بلکہ ایک اجتماعی انقلاب کا اعلان تھا، اور اس میں پہلی آواز سنتے ہی سیاسی شورش کی بُو سونگھ لی جاتی تھی۔

اسلامی دعوتِ انقلاب کی خصوصیت۔ اس میں شک نہیں کہ انبیا علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلابی لیڈر ہیں۔ لیکن جو چیز دنیا کے عام انقلابیوں اور ان خدا پرست انقلابی لیڈروں کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے انقلابی لوگ، خواہ وہ کتنے ہی نیک نیت کیوں نہ ہوں عدل و توسط کے صحیح مقام کو نہیں پا سکتے وہ

یہاں پوری تفصیل کا موقع نہیں مختصراً میں یہ بات آپ
کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی دعوتِ توحید و خدا
پرستی محض اس معنی میں ایک مذہبی عقیدہ کی دعوت نہ تھی
جس میں اور دوسرے مذہبی عقائد کی دعوت ہوا کرتی ہے، بلکہ
یہ حقیقۃً ایک اجتماعی انقلاب کی دعوت تھی۔ اس کی ضرب
بلا واسطہ ان طبقوں پر پڑتی تھی جنہوں نے مذہبی رنگ میں
پروہت بن کر، یا سیاسی رنگ میں بادشاہ اور رئیس اور حکمراں
گروہ بن کر، یا معاشی رنگ میں مہاجن اور زمیندار اور اجارہ دار
بن کر عامۃ الناس کو اپنا بندہ بنا لیا تھا۔ یہ کہیں علانیہ اَرْبَابٌ
مِّنْ دُوْنِ اللہِ بنے ہوئے تھے، دنیا سے اپنے پیدائشی یا
طبقاتی حقوق کی بنا پر اطاعت و بندگی کا مطالبہ کرتے تھے
اور صاف کہتے تھے کہ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ اور
اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ اور مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً اور کسی جگہ
انہوں نے عامۃ الناس کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کے لیے
مصنوعی خدا بتوں اور ہیکلوں اور قبروں کی شکل میں بنا رکھے
تھے جن کی آڑ پکڑ کر یہ اپنے خداوندی حقوق بندگانِ خدا سے تسلیم
کراتے تھے۔ پس کفر و شرک اور بت پرستی کے خلاف اسلام

خدا کی ہدایت کے تحت انبیا علیہم السلام تمام معاملات کو
خالص انسانیت ہی کی نظر سے دیکھتے تھے - وہ یہ دیکھتے تھے
کہ تمام انسانوں کی مجموعی فلاح و بہبود اور خود ان ظالم طبقوں
کی بھی حقیقی فلاح و بہبود کس چیز میں ہے، اور کس طرح ایک
ایسا نظام اجتماعی بنایا جائے کہ ہر شخص اپنی جائز حدود میں
رہ سکے، اپنے جائز حقوق سے متمتع ہو سکے، اور افراد کے
باہمی روابط، نیز فرد اور جماعت کے باہمی تعلق میں کامل
توازن و سکون قائم ہو سکے - یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کی انقلابی تحریک کبھی طبقاتی نزاع میں تبدیل نہ ہونے پائی
انہوں نے اجتماعی تعمیر کو اس طرز پر نہیں کی کہ ایک طبقہ کو
دوسرے طبقہ پر مسلط کر دیں، بلکہ اس کے لئے عدل کا ایسا
طریقہ اختیار کیا جس میں تمام انسانوں کے لیے ترقی اور مادی
و روحانی سعادت کے یکساں امکانات رکھے گئے تھے -
جہاد کی ضرورت اور اس کی غایت - اس مختصر مقالہ میں
میرے لیے اُس اجتماعی نظام کی تفصیلات پیش کرنا مشکل ہے
جو اسلام نے تجویز کیا ہے - اگر کبھی موقع ملا تو میں اس کا ایک
خاکہ پیش کروں گا - یہاں اپنے موضوع کی حد میں رہتے ہوئے

یا تو خود مظلوم طبقوں میں سے اُٹھتے ہیں، یا ان کی حمایت کا جذبہ لے کر اُٹھتے ہیں، اور پھر سارے معاملات کو انہی طبقوں کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر غیر جانبدارانہ اور خالص انسانیت کی نظر نہیں ہوتی بلکہ ایک طبقہ کی طرف غصّہ و نفرت کا اور دوسرے طبقہ کی طرف حمایت کا جذبہ لیے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ ظلم کا ایک ایسا علاج سوچتے ہیں جو نتیجۃً ایک جوابی ظلم ہوتا ہے۔ ان کے لیے انتقام، حسد، اور عداوت کے جذبات سے پاک ہو کر ایک معتدل اور متوازن اجتماعی نظام تجویز کرنا ممکن نہیں ہوتا جس میں مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح ہو۔ بخلاف اس کے انبیا علیہم السّلام خواہ کتنے ہی ستائے گئے ہوں اور کتنا ہی ان پر اور ان کے ساتھیوں پر ظلم کیا گیا ہو، ان کی انقلابی تحریک میں کبھی ان کے شخصی جذبات کا اثر آنے نہیں پایا۔ وہ براہِ راست خدا کی ہدایت کے تحت کام کرتے تھے، اور خدا چونکہ انسانی جذبات سے منزّہ ہے، کسی انسانی طبقہ سے اس کا مخصوص رشتہ نہیں، نہ کسی دوسرے انسانی طبقہ سے اس کو کوئی شکایت یا عداوت ہے، اس لیے

یہ دعوت جو لوگ بھی قبول کرلیں وہ خواہ کسی طبقہ، کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک کے ہوں، یکساں حقوق اور مساویانہ حیثیت سے اسلامی جماعت کے رکن بن جاتے ہیں، اور اس طرح وہ بین الاقوامی انقلابی پارٹی تیار ہوتی ہے جسے قرآن "حزب اللہ" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

یہ پارٹی وجود میں آتے ہی اپنے مقصدِ وجود کی تحصیل کے لیے جہاد شروع کر دیتی ہے۔ اس کے عینِ وجود کا اقتضاء یہی ہے کہ یہ غیر اسلامی نظام کی حکمرانی کو مٹانے کی کوشش کرے اور اس کے مقابلہ میں تمدن و اجتماع کے اس معتدل و متوازن ضابطہ کی حکومت قائم کرے جسے قرآن ایک جامع لفظ کلمۃ اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر یہ پارٹی نظامِ حکومت کو بدلنے اور اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس کے وجود میں آنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ کسی اور مقصد کے لئے بنائی ہی نہیں گئی ہے، اور اس جہاد کے سوا اس کی ہستی کا اور کوئی مصرف ہی نہیں۔ قرآن اس کی پیدائش کا ایک ہی مقصد بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے:-

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ   تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع

جس بات کو مجھے واضح کرنا تھا وہ صرف یہ تھی کہ اسلام محض ایک مذہبی عقیدہ اور چند عبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک جامع سسٹم ہے جو دنیا سے زندگی کے تمام ظالمانہ اور مفسدانہ نظامات کو مٹانا چاہتا ہے، اور ان کی جگہ اپنا ایک اصلاحی پروگرام نافذ کرنا چاہتا ہے جس کو وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے سب سے بہتر سمجھتا ہے۔

اس تخریب و تعمیر اور انقلاب و اصلاح کے لئے وہ کسی ایک قوم یا گروہ کو نہیں بلکہ تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے۔ وہ خود ان ظالم طبقوں، ان ناجائز انتفاع کرنے والے گروہوں حتّٰی کہ بادشاہوں اور رئیسوں کو بھی پکارتا ہے کہ آؤ اس جائز حد کے اندر رہنا قبول کرلو جو تمہارے خالق نے تمہارے لیے مقرر کی ہے۔ اگر تم عدل اور حق کے نظام کو قبول کرلو گے تو تمہارے لیے امن اور سلامتی ہے۔ یہاں کسی انسان سے دشمنی نہیں ہے بلکہ دشمنی جو کچھ بھی ہے ظلم سے ہے، فساد سے ہے، بداخلاقی سے ہے، اس بات سے ہے کہ کوئی شخص اپنی فطری حد سے تجاوز کرکے وہ کچھ حاصل کرنا چاہے جو فطرۃ اللہ کے لحاظ سے اس کا نہیں ہے۔

لہٰذا اس پارٹی کے لیے حکومت پر قبضہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ مفسدانہ نظامِ تمدّن ایک فاسد نظامِ حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے، اور ایک صالح نظامِ تمدّن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آجائے۔

دنیا کی اصلاح سے قطع نظر، اس کے لئے خود اپنے مسلک پر عامل ہونا بھی غیر ممکن ہے اگر حکومت کا نظام کسی دوسرے مسلک پر قائم ہو۔ کوئی پارٹی جو کسی سسٹم کو برحق سمجھتی ہو، کسی دوسرے سسٹم کی حکومت میں اپنے مسلک کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ایک اشتراکی مسلک کا آدمی اگر انگلستان یا جرمنی میں رہ کر اشتراکیت کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہے تو کسی طرح اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ سرمایہ داری اور نازیت کا ضابطۂ حیات حکومت کی طاقت سے بجبر اُس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) کرنے کا سیدھا راستہ اور حق کی اطاعت کا صحیح ضابطہ دے کر بھیجا ہے تاکہ تمام اطاعتوں کو مٹا کر اس ایک اطاعت کو سب پر غالب کر دے خواہ وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوں جو خداوندی میں دوسروں کو خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں۔

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران - ١١)

انسانی کے لیے نکالا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں ہے، بلکہ یہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے (لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ) اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد، طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹا دے، اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی خداوندی کو ختم کر دے، اور بدی کی جگہ نیکی قائم کرے۔ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ[1] ــــ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ[2] ــــ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[3] ــــ

---

١ اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہو۔

٢ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ ہو گا اور بڑا فساد برپا ہو گا۔

٣ خدا ہی نے اپنے رسول کو دنیا میں زندگی بسر (باقی بر صفحہ ٦٩)

لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ...... اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(التوبہ - ۷)

تم نے ان لوگوں کو جہاد کی شرکت سے علیحدہ رہنے کی اجازت کیوں دے دی حالانکہ جہاد ہی وہ کسوٹی ہے جس سے تم پر کھل سکتا ہے کہ اپنے ایمان میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟ جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہیں کر سکتے کہ انہیں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے سے معذور رکھا جائے .... ایسی درخواست صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر"

ان الفاظ میں قرآن نے صاف اور صریح فتویٰ دے دیا ہے کہ اپنے اعتقاد میں کسی جماعت کے صادق ہونے کا واحد معیار یہی ہے کہ وہ جس مسلک پر اعتقاد رکھتی ہو اس کو حکمراں بنانے کے لیے جان و مال سے جہاد کرے۔ اگر تم مسلک مخالف کی حکومت کو گوارا کرتے ہو تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے

مسلّط ہوگا اور وہ اس کی قہرمانی سے کسی طرح بچ نہ سکے گا۔ اسی طور پر ایک مسلمان بھی اگر کسی غیر اسلامی نظامِ حکومت میں رہ کر اسلامی اصول پر زندگی بسر کرنا چاہے تو اس کا کامیاب ہونا بھی محال ہے۔ جن قوانین کو وہ باطل سمجھتا ہے، جن ٹیکسوں کو وہ حرام سمجھتا ہے، جن معاملات کو وہ ناجائز سمجھتا ہے، جس طرزِ زندگی کو وہ فاسد سمجھتا ہے، جس طریقِ تعلیم کو وہ مہلک سمجھتا ہے، وہ سب کے سب اُس پر، اُس کے گھر بار پر، اُس کی اولاد پر اس طرح مسلّط ہو جائیں گے کہ وہ کسی طرح ان کی گرفت سے بچ کر نہ نکل سکے گا۔ لہٰذا جو شخص یا گروہ کسی مسلک پر اعتقاد رکھتا ہو وہ اپنے اعتقاد کے فطری اقتضاء ہی سے اس امر پر مجبور ہوتا ہے کہ مسلکِ مخالف کی حکومت کو مٹانے اور خود اپنے مسلک کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے مسلک پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ اس کوشش سے غفلت برتتا ہے تو اس کا صریح معنی یہ ہے کہ وہ درحقیقت اپنے اعتقاد ہی میں جھوٹا ہے:

عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ ۔۔۔ ؎ اے نبی! خدا انہیں معاف کرے

المنكر ولتأخذن يد المسيء — کرنا پڑے گا کہ نیکی کا حکم کرو
ولتأطرنه على الحق — اور بدی سے روکو، اور بدکار
اطراً او ليضربن الله — کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف
قلوب بعضكم على بعض — بزور موڑ دو، یا پھر اللہ کے قانون
او ليلعنكم كما لعنهم — فطرت کا یہ نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا

کہ بدکاروں کے دلوں کا اثر تمہارے دلوں پر بھی پڑ جائے اور ان کی طرح تم بھی ملعون ہو کر رہو۔

عالمگیر انقلاب۔ اس بحث سے یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ اسلامی جہاد کا مقصود غیر اسلامی نظام کی حکومت کو مٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنا ہے۔ اسلام یہ انقلاب صرف ایک ملک یا چند ملکوں میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں برپا کرنا چاہتا ہے اگرچہ ابتداءً مسلم پارٹی کا فرض یہی ہے کہ جہاں جہاں وہ رہتے ہوں وہاں کے نظامِ حکومت میں انقلاب پیدا کریں، لیکن ان کی آخری منزلِ مقصود ایک عالمگیر انقلاب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کوئی انقلابی مسلک جو قومیت کے بجائے انسانیت کی فلاح کے اصول لے کر اٹھا ہو، اپنے انقلابی مطمح نظر کو کبھی ایک ملک یا ایک قوم کے دائرے میں محدود نہیں کر سکتا،

کہ تم اپنے اعتقاد میں جھوٹے ہو، اور اس کا فطری نتیجہ یہی ہے اور یہی ہو سکتا ہے کہ آخر کار اسلام کے مسلک پر تمہارا نام نہاد عقیدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ ابتدا میں تم مسلک مخالف کی حکومت کو بکراہت گوارا کرو گے، پھر رفتہ رفتہ تمہارے دل اس سے مانوس ہونے چلے جائیں گے یہاں تک کہ کراہت رغبت سے بدل جائے گی، اور آخر میں نوبت اس حد تک پہنچے گی کہ مسلکِ مخالف کی حکومت قائم ہونے اور قائم رہنے میں تم خود مددگار بنو گے، اپنی جان و مال سے جہاد اِس لیے کرو گے کہ مسلکِ اسلام کے بجائے مسلکِ غیر اسلام قائم ہو یا قائم رہے، تمہاری اپنی طاقتیں مسلکِ اسلام کے قیام کی مزاحمت میں صرف ہونے لگیں گی، اور یہاں پہنچ کر تم میں اور کافروں میں اسلام کے منافقانہ دعوے ایک بدترین جھوٹ، ایک پرفریب نام کے سوا کوئی فرق نہ رہے گا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نتیجہ کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے:

والذی نفسی بیدہٖ لتأمرن	اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں
بالمعروف ولتنھن عن	میری جان ہے، یا تو تمہیں ایسا

مملکت بھی اپنے اصول و مسلک کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کر سکتی جب تک کہ ہمسایہ ممالک میں بھی وہی اصول و مسلک رائج نہ ہو جائے۔ لہٰذا مسلم پارٹی کے لیے اصلاحِ عمومی اور تحفظِ خودی، دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ کسی ایک خطہ میں اسلامی نظام کی حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ جہاں تک اس کی قوتیں ساتھ دیں، اس نظام کو تمام اطراف میں وسیع کرنے کی کوشش کرے۔ وہ ایک طرف اپنے افکار و نظریات کو دنیا میں پھیلائے گی، اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت دے گی کہ اس مسلک کو قبول کریں جس میں ان کے لیے حقیقی فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اس میں طاقت ہوگی تو وہ لڑ کر غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا دے گی اور ان کی جگہ اسلامی حکومت قائم کرے گی۔

یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب، جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی، سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف

بلکہ وہ اپنی فطرت کے عین اقتضاء ہی سے مجبور ہے کہ عالمگیر انقلاب کو اپنا مطمح نظر بنائے۔ حق جغرافی حدود قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اگر کسی دریا یا پہاڑ کے اِس پار حق ہوں تو اُس پار بھی حق ہی ہوں۔ نوعِ انسانی کے کسی حصّہ کو بھی مجھ سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ انسان جہاں بھی ظلم و ستم کا اور افراط و تفریط کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے وہاں اس کی مدد کے لیے پہنچنا میرا فرض ہے۔ اسی تخیل کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ	تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم خدا کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ	راہ میں ان مردوں، عورتوں
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ	اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے
الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ	جنہیں کمزور پاکر دبالیا گیا ہے
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ	اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا	ہمیں اس بستی سے نکال جس
(النساء - ۱۰)	کے کارفرما ظالم ہیں۔

علاوہ بریں قومی اور ملکی تقسیمات کے باوجود انسانی تعلقات و روابط کچھ ایسی عالمگیری اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کوئی ایک

جھک گئیں، وہ قیصر و کسریٰ سے الگ ہوتے چلے گئے، اور اگر مارے باندھے سے فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے آئے بھی تو بے دلی سے لڑے۔ یہی سبب ہے اُن حیرت انگیز فتوحات کا جو ابتدائی دور میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں، اور یہی سبب ہے اس کا کہ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد جب ان ممالک کے باشندوں نے اسلامی نظام اجتماعی کو عملاً کام کرتے ہوئے دیکھا تو وہ خود اس بین الاقوامی پارٹی میں شریک ہوتے چلے گئے، اور خود اس مسلک کے علمبردار بن کر آگے بڑھے تاکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کو پھیلا دیں۔
جارحانہ اور مدافعانہ کی تقسیم غیر متعلق ہے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر جب آپ غور کریں گے تو یہ بات بآسانی آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ جنگ کی جو تقسیم جارحانہ اور مدافعانہ کی اصطلاحوں میں کی گئی ہے، اس کا اطلاق سرے سے اسلامی جہاد پر ہوتا ہی نہیں۔ یہ تقسیم صرف قومی اور ملکی لڑائیوں ہی پر منطبق ہو سکتی ہے کیونکہ اصطلاحاً "حملہ" اور "مدافعت" کے الفاظ ایک ملک یا ایک قوم کی نسبت سے ہی بولے جاتے ہیں۔ مگر جب ایک بین الاقوامی پارٹی ایک جہانی نظریہ و مسلک

اصول چھڑائے جائیں، بلکہ مدعا صرف یہ ہے کہ اس کے اصول سے حکومت کی طاقت چھین لی جائے۔

ذمیوں کی حیثیت۔ یہیں سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ اسلامی نظام کی حکومت میں ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے جو کسی دوسرے عقیدہ و مسلک کے متبع ہوں۔ اسلام کا جہاد لوگوں کے عقیدہ و مسلک اور ان کے طریق عبادت یا قوانین معاشرت سے تعرض نہیں کرتا۔ وہ ان کو پوری آزادی دیتا ہے کہ جس عقیدہ پر چاہیں قائم رہیں اور جس مسلک پر چاہیں چلیں البتہ وہ ان کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ ایسے کسی طریقہ پر حکومت کا نظام چلائیں جو اسلام کی نگاہ میں فاسد ہے۔ نیز وہ ان کے اس حق کو بھی نہیں مانتا کہ وہ معاملات کے اُن طریقوں کو اسلامی نظامِ حکومت میں جاری رکھیں جو اسلام کے نزدیک اجتماعی فلاح کے لیے مہلک ہیں۔ مثلاً وہ حکومت کا نظام ہاتھ میں لیتے ہی سودی کاروبار کی تمام صورتوں کو مسدود کر دے گا۔ جوئے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔ خرید و فروخت اور مالی لین دین کی ان تمام شکلوں کو روک دے گا جو اسلامی قانون میں حرام ہیں۔ قحبہ خانوں اور

کو لے کر اُٹھے اور تمام قوموں کو انسانی حیثیت سے اس مسلک کی طرف بلائے، اور ہر قوم کے آدمیوں کو مساویانہ حیثیت سے اپنی پارٹی میں شریک کرے، اور بعض مسلک مخالف کی حکومت کو مٹا کر اپنے مسلک کی حکومت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرے تو ایسی حالت میں اصطلاحی حملہ اور اصطلاحی مدافعت کا قطعاً کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر اصطلاح سے قطع نظر کر لی جائے تب بھی اسلامی جہاد پر جارحانہ اور مدافعانہ کی تقسیم منطبق نہیں ہوتی۔ اسلامی جہاد بیک وقت جارحانہ بھی ہے اور مدافعانہ بھی۔ جارحانہ اس لیے کہ مسلم پارٹی مسلکِ مخالف کی حکمرانی پر حملہ کرتی ہے۔ اور مدافعانہ اس لیے کہ وہ خود اپنے مسلک پر عامل ہونے کے لیے حکومت کی طاقت استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ پارٹی ہونے کی حیثیت سے اس کا کوئی گھر نہیں کہ وہ اس کی مدافعت کرے۔ اس کے پاس محض اپنے اصول ہیں جن کی وہ حمایت کرتی ہے۔ اسی طرح مخالف پارٹی کے گھر پر وہ حملہ نہیں کرتی بلکہ اس کے اصولوں پر حملہ کرتی ہے اور اس حملہ کا مدعا یہ نہیں ہے کہ اس سے زبردستی اس کے

کے ساتھ ہر قسم کی ترقی کرنے کا موقع دیتا ہے، اور ان کے ساتھ ایسی فیاضی کا برتاؤ کرتا ہے جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

امپیریلزم کا شبہ۔ یہاں پہنچ کر مجھے پھر اس بات کا اعادہ کرنا چاہیے کہ اسلام کی نظر میں جہاد صرف وہی ہے جو محض فی سبیل اللہ ہو، اور اس جہاد کے نتیجہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہو تو مسلمانوں کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لے لیں۔ مسلمان اس لیے نہیں لڑتا اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہیں لڑ سکتا کہ اُس کی شخصی حکومت قائم ہو جائے، اور وہ خدا کے بندوں کو اپنا بندہ بنا لے اور ناجائز طور پر لوگوں کی گاڑھی محنتوں کا روپیہ وصول کر کے اپنی نفس پرستی میں صرف کرنے لگے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں بلکہ جہاد فی سبیل الطاغوت ہے، اور ایسی حکومت کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام کا جہاد تو ایک خشک اور بے مزہ محنت ہے جس میں جان، مال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر یہ جہاد کامیاب ہو اور نتیجہ میں حکومت مل جائے تو سچے مسلمان

فواحش کے اڈوں کو کلیتہً بند کر دے گا۔ غیر مسلم عورتوں کو ستر کے کم سے کم حدود کی پابندی پر مجبور کرے گا اور انہیں تبرج جاہلیت کے ساتھ پھرنے سے روک دے گا۔ سینما پر احتساب قائم کرے گا اور تمام غیر اخلاقی عناصر کو اس سے نکال دے گا۔ کسی گروہ کو مخلوط تعلیم کی اجازت نہ دے گا۔ اس قسم کے اور بہت سے امور ہیں جن میں ایک اسلامی نظام حکومت نہ صرف اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر، بلکہ خود اپنے تحفظ کی خاطر بھی ان تمدنی معاملات کی اجازت نہ دے گا جو غیر مسلموں کے مسلک میں چاہے ناجائز نہ ہوں، مگر اسلام کی نگاہ میں موجب فساد و ہلاکت ہیں۔

اس باب میں اگر کوئی شخص اسلام پر ناروا داری کا الزام عائد کرے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ دنیا کے کسی انقلابی و اصلاحی مسلک نے دوسرے مسلک والوں کے ساتھ اتنی رواداری نہیں برتی ہے، جتنی اسلام برتتا ہے۔ دوسری جگہ تو آپ دیکھیں گے کہ غیر مسلک والوں کے لیے زندگی دوبھر کر دی جاتی ہے، حتّٰی کہ وہ وطن چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام غیر مسلک والوں کو پورے امن کے

اس پر ہر وقت یہ خوف غالب رہتا ہے کہ ایک دن اس کے اعمال کا سخت حساب لیا جائے گا اور اگر حرام کا ایک پیسہ، جبر سے لی ہوئی زمین کا ایک چپہ، تکبر و فرعونیت کا ایک شمہ، ظلم و بے انصافی کا ایک دھبہ اور خواہشات نفسانی کی بندگی کا ایک شائبہ بھی اُس کے حساب میں نکل آیا تو اسے سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔ اگر کوئی شخص حقیقت میں دنیا کا لالچی ہو تو اس سے بڑا کوئی بے وقوف نہ ہوگا اگر وہ اسلامی قانون کے مطابق حکومت کا بار سنبھالنے پر آمادہ ہو، کیونکہ اسلامی حکومت کے فرمانروا سے بازار کے ایک معمولی دکاندار کی پوزیشن زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ وہ دن کو خلیفہ سے زیادہ کماتا ہے اور رات کو آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتا ہے خلیفہ بیچارے کو نہ اس کے برابر آمدنی نصیب اور نہ رات کو چین سے سونا ہی نصیب۔

یہ بنیادی فرق ہے اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کا۔ غیر اسلامی حکومت میں حکمران گروہ اپنی خداوندی قائم کرتا ہے اور اپنی ذات کے لئے ملک کے وسائل و ذرائع استعمال کرتا ہے۔ بخلاف اس کے اسلامی حکومت میں حکمران گروہ محض

حکمراں پر ذمہ داریوں کا اس قدر بھاری بوجھ عائد ہو جاتا ہے
کہ اس غریب کے لیے راتوں کی نیند اور دن کی آسائش
تک حرام ہو جاتی ہے، مگر اس کے معاوضہ میں وہ حکومت و
اقتدار کی ان لذّتوں میں سے کوئی لذّت بھی حاصل نہیں کر
سکتا جن کی خاطر دنیا میں عموماً حکومت حاصل کرنے کی کوشش
کی جاتی ہے۔ اسلام کا فرمانروا نہ تو رعیت کے عام افراد سے
ممتاز کوئی بالاتر ہستی ہے، نہ وہ عظمت و رفعت کے تخت
پر بیٹھ سکتا ہے، نہ اپنے آگے کسی سے گردن جھکوا سکتا ہے،
نہ قانون شریعت کے خلاف ایک پتّہ ہلا سکتا ہے، نہ اُسے یہ
اختیار حاصل ہے کہ اپنے کسی عزیز یا دوست یا خود اپنی ذات
کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ہستی کے جائز مطالبہ سے بچا سکے، نہ وہ
حق کے خلاف ایک حبّہ لے سکتا ہے اور نہ چپّہ بھر زمین پر
قبضہ کر سکتا ہے، ایک متوسط درجہ کے مسلمان کو زندگی بسر
کرنے کے لیے جتنی تنخواہ کافی ہو سکتی ہے اس سے زیادہ
بیت المال سے ایک پائی لینا بھی اُس کے لیے حرام ہے،
وہ غریب نہ عالی شان قصر بنوا سکتا ہے، نہ خدم و حشم رکھ
سکتا ہے، نہ عیش و عشرت کے سامان فراہم کر سکتا ہے۔

یہ ہے اس جہاد کی حقیقت جس کے متعلق آپ بہت کچھ سنتے رہے ہیں - اب اگر آپ مجھ سے دریافت کریں کہ آج اسلام اور مسلم جماعت اور جہاد کا وہ تصور جو تم پیش کر رہے ہو کہاں غائب ہو گیا، اور کیوں دنیا بھر کے مسلمانوں میں کہیں بھی اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، تو میں عرض کروں گا کہ یہ سوال مجھ سے نہ کیجیے بلکہ اُن لوگوں سے کیجیے جنہوں نے مسلمانوں کی توجہ اُن کے اصلی مشن سے ہٹا کر تعویذ گنڈوں اور عملیات اور ریاضتوں کی طرف پھیر دی۔ جنہوں نے نجات اور فلاح اور حصولِ مقاصد کے لیے شارٹ کٹ تجویز کیے تاکہ مجاہدہ اور جانفشانی کے بغیر سب کچھ تسبیح پھرانے یا کسی صاحبِ قبر کی عنایات حاصل کر لینے سے ہی میسر آجاتے۔ جنہوں نے اسلام کے کلیات اور اصول اور مقاصد سب کو لپیٹ کر تاریک گوشوں میں پھینک دیا اور مسلمانوں کے ذہن کو آمین بالجہر اور رفع یدین اور ایصالِ ثواب و زیارتِ قبور اور اسی قسم کے بے شمار جزئیات میں ایسا پھنسایا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے مقصدِ تخلیق کو اور اسلام کی حقیقت کو قطعی بھول گئے۔ اگر اس سے بھی آپ کی تشفی نہ ہو تو پھر

خدمت کرتا ہے اور عام باشندوں سے بڑھ کر اپنی ذات کے لیے کچھ حاصل نہیں کرتا۔ اسلامی حکومت کی سول سروس کو جو تنخواہیں ملتی تھیں، ان کا تقابل آج کل کی یا خود اُس دور کی امپیریلسٹ طاقتوں کی سول سروس کے مشاہروں سے کر کے دیکھیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کی جہاں کشائی اور امپیریلزم کی عالمگیری میں روحی و جوہری فرق کیا ہے۔ اسلامی حکومت میں خراسان، عراق، شام اور مصر کے گورنروں کی تنخواہیں آپ کے معمولی انسپکٹروں کی تنخواہوں سے بھی کم تھیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ صرف سو روپے مہینہ پر اتنی بڑی سلطنت کا انتظام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپے سے زیادہ نہ تھی، درآنحالیکہ بیت المال دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے چھوڑے ہوئے خزانوں سے بھرپور ہو رہا تھا۔ اگرچہ ظاہر میں امپیریلزم بھی ملک فتح کرتا ہے اور اسلام بھی مگر دونوں کے جوہر میں زمین و آسمان کا بل ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یہ سوال ان امرا اور اصحابِ اقتدار کے سامنے پیش کیجیے جو قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر قرآن کے قانون اور محمد صلعم کی ہدایت کا اس سے زیادہ کوئی حق اپنے اوپر تسلیم نہیں کرتے کہ کبھی ختمِ قرآن کرادیں اور کبھی عیدِ میلاد کے جلسے کرادیں اور کبھی اللہ میاں کو نعوذ باللہ ان کی شاعری کی داد دے دیا کریں۔ رہا اس قانون اور ہدایت کو عملاً نافذ کرنا، تو یہ حضرات اپنے آپ کو اس سے بری الذمّہ سمجھتے ہیں، کیونکہ درحقیقت ان کا نفس ان پابندیوں کو قبول کرنے اور ان ذمّہ داریوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے جو اسلام ان پر عائد کرتا ہے۔ یہ بڑی سستی نجات کے طالب ہیں۔

شیخ عنایت اللہ پرنٹر پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوا کر تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا

